حجازِ مقدس کی والہانہ حاضری

حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی
(تیسری قسط)
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند انڈیا، حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مسجد نبوی کی اذانیں

مدینہ منورہ کی اس پہلی حاضری کے موقع پر جب مسجدِ نبوی کے احاطہ سے پُر اثر آواز میں اذان کی تکبیریں بلند ہوئیں تو ایسا محسوس ہورہا تھا کہ دل پر پڑے ہوئے غفلت کے پردوں کو ہٹایا جارہا ہے اور ایمانی کیفیت میں اضافے کا سامان مہیّا کیا جارہا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان کے مطابق شیطان لعین کو بھاگنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إذا نُودیَ للصلوة أدبر الشیطن لهُ ضُراطٌ حتی لایسمع التأذین فاذا قُضی النداء أقبل حتی إذا ثُوّب بالصلوة أدبرَ حتی إذا قُضی التثویب أقبل حتی یخطر بین المرء ونفسهٖ یقول اذکر کذا اذکر کذا لما لم یکن یذکر حتی یظل الرجل لایدری کم صلیٰ۔'' (بخاری شریف، ج:۱،ص:۸۵)

یعنی ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان آواز کے ساتھ گوز خارج کرتا ہوا پشت پھیر کر بھاگتا ہے، تاکہ اذان نہ سنے، پھر جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب اقامت شروع ہوتی ہے پھر پیٹھ دے کر بھاگتا ہے، اور جب اقامت پوری ہوجاتی ہے پھر واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ نمازی اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کرو، فلاں بات یاد کرو جو باتیں نمازی کو یاد بھی نہیں تھیں، یہاں تک کہ نمازی اس بات سے غافل ہوجاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی ہے۔''

جب مسجدِ نبوی کے قابل صد احترام مؤذن صاحب نے اذان دیتے ہوئے ''أشهد أن محمدا رسول اللّٰه '' کی آواز اپنے مخصوص انداز و لہجے کے ساتھ بلند کی تو اس کے اثر وکشش سے ذہن سوچنے لگا کہ جب پندرہویں صدی ہجری میں مسجدِ نبوی کی اذان اتنی بااثر ہے تو ''اذانِ بلالی''

کی کیا کیفیت رہی ہوگی؟ ایسے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن وصحابی حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ (متوفی: ۲۰ھ) سے محبت رکھنے والے اوران کی زندگی سے ایک حد تک واقفیت رکھنے والے شخص کے ذہن میں ان کا وہ تاریخی واقعہ گھومنے لگتا ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیش آیا تھا جس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سرزمینِ شام کے اندر ''داریا'' قصبہ میں سکونت اختیار کررکھی تھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

امام نورالدین علی بن احمد السمہودی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۲۲ھ) نے اپنی کتاب ''خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفٰی'' میں ابن عساکر کے حوالہ سے سندِ جیّد کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس زمانہ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جب وہ دمشق کے مضافات میں واقع ''داریا'' قصبہ میں مقیم تھے، اس قصہ کا خلاصہ اردو زبان میں پیش کیا جارہا ہے:

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ فرمارہے ہیں: اے بلال! یہ کیا زیادتی ہے؟ اے بلال! کیا آپ کے لیے میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آیا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حزن وملال کی حالت میں بیدار ہوتے ہی اپنی سواری پر سوار ہوکر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے، مدینہ منورہ پہنچ کر روضۂ اقدس پر رونے دھونے کے ساتھ حاضری دی، اس دوران حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما ان کے پاس تشریف لائے جنہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سینے سے لگا کر پیار کیا، ان دونوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہماری تمنا ہے کہ آپ مسجدِ نبوی میں کم ازکم ایک مرتبہ توایسی اذان دیں جس طرح آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دیا کرتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آلِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس خواہش کو پورا کیے بغیر نہ رہ سکے اوراذان دینے کے لیے آمادہ ہوگئے اور جیسے ہی مدینہ کی فضاء میں بلالی آواز کے ساتھ ''اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر'' کی صدا بلند ہوئی تو شہر میں کہرام مچ گیا، اور جب ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه'' کی آواز بلند ہوئی تو کہرام میں اضافہ ہوگیا اور جب ''أشهد أن محمدا رسول اللّٰه'' کا جملہ بلالی لہجہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی فضاء میں گونجنے لگا تو پردہ نشین خواتین تک بھی باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں تشریف لائے؟ رونے والوں اور رونے والیوں کی اتنی بڑی تعداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحہ وفات والے دن کے علاوہ مدینہ میں کسی نے نہیں دیکھی ہوگی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر خود بھی اتنا اثر ہوا کہ اذان مکمل نہ کرسکے۔'' (خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفٰی، ص:۹۸، مطبوعہ دمشق)

مسجدِ نبوی کی نمازیں اور امام حرم سے پہلی ملاقات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں اپنی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صلوةٌ في مسجدي هذا خير من ألف صلوةٍ فيما سواه إلا المسجد الحرام''، یعنی: ''میری اس مسجد میں ایک نماز مسجدِ حرام کے علاوہ دیگر مسجدوں کی ہزار

نمازوں سے بہتر ہے ۔‘‘ (بخاری شریف، ج:۱،ص:۱۵۹)

ہمیں حرمین شریفین کی اس پہلی زیارت کے لیے جامعۃ الملک سعود کی طرف سے مختصر وقت کے لیے اجازت ملی تھی ، اس لیے مسجدِ نبوی میں ظاہری گنتی کے اعتبار سے تو چند ہی نمازیں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ، لیکن مندرجہ بالا صحیح حدیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ان کی معنوی تعداد بڑھ گئی ہوگی ، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے ۔

احقر نے حجازِ مقدس کی حاضری سے پہلے امام مسجدِ نبوی شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی زید مجدہم کی بااثر و پر کیف تلاوت ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ دارالعلوم دیوبند میں سنی تھی ، جس سے غائبانہ طور پر ان سے ایک قلبی اور گہری محبت پیدا ہوگئی تھی ، مسجدِ نبوی کی اس پہلی حاضری کے موقع پر دل میں یہ تمنا تھی کہ شیخ حذیفی کی تلاوت براہِ راست سننے اور ان کی زیارت کرنے کا موقع ملے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا اس طرح پوری کردی کہ شبِ جمعہ کو عشاء کی نماز کے وقت محافظین کے درمیان ایک نورانی چہرہ والے میانہ قد شخص جن کے چہرے پر معصومیت وسادگی کے آثار نمایاں تھے' تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لیے مسجدِ نبوی کی محراب کی طرف آگے بڑھے ، میں محراب کے سامنے غالبًا چوتھی صف میں تھا ، نماز شروع ہوئی اور ثناء کے بعد جیسے ہی امام صاحب نے سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت پڑھی' احقر کو یقین ہوگیا کہ یہی تو امام الحرم شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی ہیں ، شیخ نے نماز کی دونوں جہری رکعتوں میں سورۂ احزاب کا آخری حصہ پڑھا ۔

غور کیا جائے ! سالوں سال کی تمناؤں کے بعد مسجدِ نبوی کی پہلی زیارت حاصل ہورہی ہو اور اسی فضاء میں فرض نماز باجماعت ادا کی جارہی ہو جس میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان شریک ہوں ، اُن مسلمانوں میں عرب وعجم ، مسافر ومقیم ، بوڑھے وجوان ، مرد وخواتین اور امیر وفقیر سب کی شمولیت ہو ، تھوڑی دیر پہلے اسی فضاء سے ایک ایسی اذان کی آواز بلند ہوچکی ہو جس نے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو ، نماز میں شیخ حذیفی کی تلاوت ہورہی ہو اور وہ بھی سورۂ احزاب کے اس حصہ کی جس میں نافرمان لوگوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہو: ’’یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ‘‘یعنی: ’’جس دن ان کے چہرے (جہنم کی) آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ: اے کاش! ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور اس کے رسول کا حکم مانتے ۔‘‘ (الاحزاب:۶۶) اور ذرا آگے فرماں برداروں سے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہو: ’’وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ‘‘یعنی ’’اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا تو یقیناً وہ بڑی کامیابی پائے گا ۔‘‘ (الاحزاب:۷۱)

زندگی میں پہلی بار حاضری دینے والا شخص جب مسجدِ نبوی کے احاطہ اور روضۂ اقدس کے جوار میں فرض نماز کے اندر مذکورہ بالا جیسی آیتوں کی تلاوت شیخ حذیفی کی زبان سے سماعت کرے گا تو اس کا دل جتنا بھی غفلتوں میں ڈوبا ہوا ہوگا پھر بھی خوف ورجاء کی ملی جلی کیفیت سے لرزے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کا بدن جتنا بھی گناہ آلود ہوگا وہ بھی کانپے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کی آنکھیں بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتیں ۔

سلام پھیرنے کے بعد شیخ حذیفی نے حسبِ معمول مڑ کر اپنا رخ مقتدیوں کی طرف کر دیا اور اذکارِ مسنونہ میں مشغول ہوگئے، مجھے چونکہ محراب کے بالکل سامنے چند ہی صفیں چھوڑ کر جگہ ملی تھی، اس لیے ان کے بابرکت اور نورانی چہرہ کی زیارت کا ایک اچھا موقع تھا، لہٰذا اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر ذرا فاصلہ سے ان کی زیارت کی، اور اگلے دن بروز جمعہ فجر کی نماز کے بعد جب وہ مسجدِ نبوی سے واپس قیام گاہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ان سے مختصر ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔

روضۂ جنت میں حاضری

مدینہ منورہ کے اس والہانہ سفر کے دوران روضۂ جنت میں حاضری کا موقع بھی ربِّ کریم نے عنایت فرمایا، مسجد نبوی میں منبر سے بائیں طرف تقریباً پچاس ہاتھ کے فاصلے پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارکہ ہے، جہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں، منبر اور حجرے کے درمیان والے حصہ سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''**مابين بيتي ومنبري روضةٌ من رياض الجنة**''، یعنی: ''جو جگہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' (بخاری شریف، ج:۱،ص:۱۵۹)

اس حدیث کی تشریح میں علماء کرام کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ لفظ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور مسجدِ نبوی کا مذکورہ بالا حصہ بعینہٖ قیامت کے دن جنت میں منتقل کیا جائے گا، اور حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند (متوفّٰی: ۱۳۹۲ھ) کے حوالہ سے ان کے خصوصی شاگرد اور ہمارے محترم اُستاذ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم العالیہ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند نے ''ایضاح البخاری، ج:۶،ص:۸۱'' میں ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے کہ روضۂ جنت میں داخل ہو کر عبادت کرنے والے کو نیک فالی کے طور پر یہ اُمید رکھنی چاہیے کہ ان شاء اللہ! وہ جنت سے محروم نہیں ہوگا، اس لیے کہ جنت میں جانے کے بعد کسی کو پھر اس سے نکال کر محروم نہیں کر دیا جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دن کا ایک منظر

روضۂ جنت میں حاضری کا موقع ہو یا غائبانہ طور پر اس کا اور حجرۂ مبارکہ و محراب و منبر کا تذکرہ ہو، احقر کو بخاری شریف کی وہ روایتیں ضرور یاد آتی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت اور زندگی کے آخری دن کا ایک منظر بیان کیا گیا ہے، ان روایات کا مفہوم وخلاصہ یہ ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت کے دوران بھی جب ذرا سی طاقت رہتی مسجد میں تشریف لا کر نماز پڑھا دیتے، جب ضعف کافی بڑھ گیا تو وفات والے دن سے پہلے مسلسل تین دن (جمعہ، ہفتہ، اتوار) تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف نہ لا سکے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نمازیں پڑھاتے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں اضافے اور

مسجد میں عدم تشریف آوری کی وجہ سے کافی غمگین تھے، چوتھے دن بروز پیر ایک ایسے وقت میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فجر کی نماز میں صف باندھے کھڑے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا منظر دیکھ کر خوشی اور اطمینان کی وجہ سے مسکرانے اور پھر ہنسنے لگے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اتنا منوّر و پاکیزہ اور پر رونق معلوم ہو رہا تھا جیسے قرآن کریم کا ورق ہو، اور چونکہ کئی نمازوں کے بعد ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت نصیب ہو رہی تھی، اس لیے قریب تھا کہ فرطِ مسرت سے ہمارے اندر ایک ایسی اضطرابی کیفیت پیدا ہو جائے جو نماز میں نقصان کا باعث بنے، صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ سمجھ کر کہ شاید آپ تشریف لا رہے ہیں اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے بتادیا کہ تم اپنی نماز پوری کرلو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ جو ہٹایا تھا واپس ڈال دیا، اس کے بعد ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر نہ ہوسکی اور اُسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔'' (بخاری شریف، ج:۱،ص:۹۳-۹۴ نیز ج:۲،ص:۶۴۰)

راقم نے بخاری شریف جلد اوّل حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحب قدس سرہٗ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) (متوفّٰی :۱۴۳۱ھ) اور جلد ثانی حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم (موجودہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) سے تعلیمی سال ۱۴۰۱ھ-۱۴۰۲ھ کو دارالعلوم دیوبند میں پڑھی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت اور زندگی کے آخری دن کے مذکورہ بالا منظر سے متعلق حدیثیں چونکہ بخاری شریف جلد اول میں ''**بابٌ أهلُ العلم والفضل أحق بالامامة**'' کے تحت بھی آگئی ہیں اور جلد ثانی میں ''**بابُ مرض النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ووفاته**'' کے تحت بھی! اس لیے دونوں اکابرین نے اپنے اپنے انداز کے مطابق ان پر گفتگو فرمائی تھی۔

حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خاں صاحب قدّس اللہ سرّہٗ پر تو ایسے مضمون کو بیان کرتے ہوئے اس طرح رقت طاری ہوجاتی تھی کہ زیادہ تفصیل سے بات کرنا ان کے لیے دشوار ہوجاتا، لیکن ان کی رقتِ قلبی اور اخلاص کی برکت سے طلبہ کو پھر بھی بہت کچھ مل جاتا، اور حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے اپنے خداداد ملکۂ افہام و تفہیم اور حبّ نبوی کی بدولت اس مضمون کو ایک ایسے انداز میں فرمایا تھا کہ طلبہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ شاید ہم بھی پیر کے دن کی صبح کا یہ مبارک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور پھر اُسی دن کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم **فداہ أبي وأمّي** کے وصال کا مشکل ترین مرحلہ بھی ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوتا ہے: ''**اللّٰھم صل علٰی محمدِنِ النبی الأمی وعلیٰ آلہٖ وسلِّم تسلیما**۔''

ستونہائے رحمت کی زیارت

روضۂ جنت میں سات ستون ہیں جن کو اسطواناتِ رحمت کہا جاتا ہے، ان کے نام حسبِ ذیل

ہیں: ۱:......اسطوانۂ حنّانہ، ۲:......اسطوانۂ اُبولبابہؓ، ۳:......اسطوانۂ حرس، ۴:......اسطوانۂ وفود، ۵:......اسطوانۂ سریر، ۶:......اسطوانۂ جبریلؑ، ۷:......اسطوانۂ عائشہؓ۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان ستونہائے رحمت کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا اور ہر ایک ستون نے اپنی تاریخ یاد دلائی، اول الذکر دوستونوں سے متعلق کچھ تفصیل درج کی جارہی ہے:

اسطوانۂ حنّانہ

اُسطوانہ حنّانہ اس جگہ پر بنایا ہوا ستون ہے جہاں کھجور کا ایک تنا تھا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق پر زور زور سے رویا تھا، اس تنے سے متعلق صحیح البخاری ''کتاب الجمعۃ، ج:۱،ص:۱۲۵'' اور ''کتاب المناقب، ج:۱،ص:۵۰۶'' اور سنن ترمذی ''ابواب الجمعۃ، ج:۱،ص:۱۱۳'' میں روایات موجود ہیں، اسی طرح امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی: ۲۵۵ھ) نے سنن دارمی میں مقدمہ کے اندر ایک مستقل باب بعنوان ''باب ما أکرم اللّٰہُ النبیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بحَنین المنبر'' قائم کر کے گیارہ روایتیں ذکر کی ہیں، مذکورہ تمام روایات کا خلاصہ ومفہوم یہ ہے:

''مسجد نبوی میں منبر بننے سے پہلے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے تو کھجور کے ایک تنے کا سہارا لے کر کھڑے ہوتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے منبر کا انتظام کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر خطبہ دینے کے لیے تشریف لے گئے تو وہ تنا فراقِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا صدمہ برداشت نہ کرسکا، اور اس سے دس ماہ کی گابھن اونٹنی کے رونے کی طرح آواز آنے لگی اور اتنا رویا گویا پھٹ جائے گا، اس کے رونے کی آواز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سنتے رہے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر سینے سے لگایا جس سے وہ اس بچے کی طرح جسے تھپکیاں دے کر خاموش کیا جاتا ہے ہچکیاں لیتے ہوئے خاموش ہوگیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر میں نے اس تنے کو اپنے سینے سے نہ لگایا ہوتا تو یہ اسی طرح قیامت تک روتا رہتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفنانے کا حکم دے دیا، چنانچہ اُسے دفنا دیا گیا۔''

راقم عرض کرتا ہے کہ اسطوانہ حنّانہ کی زیارت کرنے والوں کو مذکورہ واقعہ کا استحضار کرتے ہوئے اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ جب ایک غیر مکلّف خشک تنا جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی اُس مخلوق سے ہو جس نے امانتِ خداوندی (شریعت کاملہ کی پابندی) کے بوجھ اُٹھانے سے ابتداء ہی سے معذرت کر لی ہو وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ غمِ فراق میں بلک بلک کر رو رہا ہے تو اُس انسان کو جس نے امانتِ خداوندی کے بوجھ اُٹھانے کے لیے شروع ہی سے آمادگی ظاہر کی ہو اور پھر ''لا إلٰہ إلا اللّٰہُ محمدٌ رسولُ اللّٰہ'' پڑھنے کا اظہار بھی کیا ہو اُسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت کرنی چاہیے؟

اس سوال کا واضح جواب یہ ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اور اللہ کے فرمان ''أَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَأَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ'' پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ہر ہر حکم کی اطاعت وپیروی کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرے۔

اسطوانہ حنّانہ کی زیارت کے وقت اس کے مذکورہ بالا واقعہ اور اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اگر زائر اپنی استقامت کے لیے لجاجت کے ساتھ دعا کرے گا اُمید ہے کہ ربّ کریم اس کی دعا کو قبولیت سے نوازے گا۔

اسطوانۂ ابولبابہؓ

اسطوانۂ ابولبابہؓ وہ ستون ہے جس کے ساتھ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اظہارِ توبہ وندامت کے طور پر اپنے آپ کو باندھ لیا تھا، کیونکہ وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور بالآخر اُن کی توبہ قبول ہوگئی تھی، اس ستون کی زیارت نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر:۱۰۲ یاد دلائی جس کے بارے میں علاّمہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ: ''یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی، جن کی کل تعداد چھ یا آٹھ یا دس تھی''، ان حضرات میں سے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے نام پر تمام روایات متفق ہیں، باقی حضرات کی تعداد اور ناموں میں مختلف روایات ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے اعلانِ عام فرمایا تھا، اور سب مسلمانوں کو چلنے کا حکم دیا تھا، البتہ کچھ ایسے مخلص مسلمان تھے جن کے پاس معقول عذر تھا، ان کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا، کچھ منافقین تھے جنہوں نے جھوٹے اعذار پیش کردیئے، اور شریک نہیں ہوئے، ان منافقین کے بارہ میں سورۂ توبہ میں سخت وعیدیں نازل ہوئیں، مسلمانوں میں کچھ ایسے حضرات بھی تھے جو صرف وقتی سستی کی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلانِ عام پر تو عمل نہ کرسکے اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے، مگر بعد میں اخلاص کے ساتھ نادم وتائب ہوگئے اور منافقین کی طرح جھوٹے اعذار تلاش نہیں کیے، اور بالآخر اُن سب کی توبہ قبول ہوگئی، بلاعذر پیچھے رہنے والے ان حضرات کی بھی دو جماعتیں ہوگئی تھیں، ایک جماعت وہ تھی جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت وتوبہ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا، اور یہ عہد کیا کہ جب تک ہماری توبہ قبول نہ ہوگی اور ہمیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کھولیں گے ہم اسی طرح بندھے ہوئے قیدی رہیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس عہد کا پتہ چلا تو فرمایا کہ: اللہ کی قسم! میں بھی ان کو اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہیں دے گا، اس پر سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

''وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّآخَرَ سَيِّئاً عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔'' (التوبۃ:۱۰۲)

''اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا انہوں نے ملے جلے عمل کیے کچھ

اچھے اور کچھ برے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے، بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے‘‘۔

اس جماعت میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، جب مذکورہ آیت اتری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ قبول ہونے کی خوشخبری سنائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اُن کے کھولنے کا حکم دے دیا، تو حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوکر مجھے اپنے دستِ مبارک سے نہیں کھولیں گے میں بندھا رہوں گا، چنانچہ فجر کی نماز میں آپ تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ والی اس جماعت نے توبہ کرنے کا ایسا مخلصانہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمادی جس میں تا روزِ قیامت آنے والے ان تمام مسلمانوں کے لیے جن کے اعمال نیک و بد ملے جلے ہوں اور وہ اپنے گناہوں سے اخلاص کے ساتھ تائب ہوجائیں معافی اور مغفرت کی امید ہے۔

غزوۂ تبوک میں صرف سستی کی وجہ سے شرکت نہ کرنے والے مخلص مسلمانوں کی دوسری جماعت مندرجہ ذیل تین انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی:

۱:......حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ۲:......حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ ۳:......حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرات اگرچہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ والی جماعت کی طرح طریقہ تو اختیار نہ کرسکے، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر صاف صاف اپنی سستی اور کوتاہی کا اعتراف کرلیا اور کوئی جھوٹا عذر پیش نہیں کیا، ہاں! یہ وضاحت ضرور کردی کہ یہ کوتاہی صرف سستی کی بناپر ہوئی ہے، نفاق کی وجہ سے نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سچائی کو تسلیم فرماتے ہوئے ان کی کوتاہی کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں فرمائیں گے تب تک ان سے سلام اور کلام کا مقاطعہ کیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقاطعۂ سلام وکلام کی انتہائی مصیبت پچاس دن تک جھیلنے کے بعد ان تینوں حضرات کی توبہ کو بھی ربّ کریم نے قبول فرماکر ان کے حق میں سورۂ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت نازل فرمادی:

’’وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔‘‘ (التوبہ:۱۱۸)

’’اور ان تین شخصوں پر بھی (اللہ نے مہربانی کی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اس قدر وسیع ہونے کے ان پر تنگ ہوگئی، اور وہ خود بھی اپنی جانوں سے تنگ آگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی، مگر یہ کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں، بلاشبہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے‘‘۔

آیت اترنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان تینوں کو توبہ قبول ہونے کی

خوشخبری سنا کر مبارکباد دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ کعب بن مالکؓ کو مبارکباد دی: ''بشارت ہو تمہیں ایک ایسے مبارک دن کی جو تمہاری زندگی میں پیدائش سے لے کر آج تک سب سے زیادہ بہتر دن ہے۔'' اس واقعہ کی پوری تفصیل (صحیح البخاری، ج:۲، ص:۶۳۴-۶۳۶) اور حدیث کی دیگر کتابوں میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے درج ہے۔

بہرکیف! روضۂ جنت میں اسطوانہ ابولبابہ کی زیارت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کا مذکورہ واقعہ یاد دلاتی ہے، اور پھر اُن کی مخلصانہ توبہ کی قبولیت کے نتیجہ میں اُتری ہوئی سورۂ توبہ کی آیت نمبر:۱۰۲ پر جب غور کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کے الفاظ کے عموم سے اندازہ ہوتا ہے کہ ارحم الراحمین نے صرف حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ والی جماعت کے حق میں نہیں بلکہ بعد میں آنے والے تائبین (چاہے وہ پندرہویں صدی ہجری کے پرفتن زمانہ کے تائبین کیوں نہ ہوں) کے حق میں بھی قبولیتِ توبہ کا وعدہ فرمایا ہے، اور پھر اسی مناسبت سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ والی جماعت کا مذکورہ واقعہ اور ان کے حق میں اُتری ہوئی سورۂ توبہ کی آیت نمبر:۱۱۸ خود بخود یاد آتی ہے، اور ایک ایسی کیفیت زائر کے اندر پیدا ہو جاتی ہے جس کا مفہوم شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجۂ ذیل دو شعروں میں بیان کیا ہے:

بر درآمد بندۂ بگریختہ — آبروئے خود بعصیاں ریختہ
مغفرت دارد امید از لطفِ تو — زانکہ خود فرمودۂ لاتقنطوا

قارئین کرام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ حقیر راقم الحروف، اس کے والدین واقارب، اس کے اساتذۂ کرام اور اس کے محبین ومحسنین کو بھی دعائے خیر میں شامل فرمالیں، وجزاکم اللّٰہ تعالٰی خیرالجزاء۔

حجازِ مقدس سے واپسی

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہمیں ''جامعۃ الملک سعود ،ریاض '' کی طرف سے مختصر وقت کے لیے حجازِ مقدس جانے کی اجازت ملی تھی، اس لیے حرمین شریفین کی ہماری یہ پہلی حاضری مختصر ہی رہی، اتنے مختصر وقت میں واپسی اور حرمین شریفین کی بابرکت فضاؤں سے جدائی کے لیے دل آمادہ نہ تھا، تاہم قانونی مجبوری کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا پڑا اور بروز جمعہ ۲۰/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بعدالعصر مدینہ منورہ سے پرنم آنکھوں کے ساتھ ریاض روانہ ہوئے:

حیف! در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

''جامعۃ الملک سعود'' کے شب وروز

احقر نے ''جامعۃ الملک سعود، ریاض ''میں اپنے اساتذۂ کرام کے مشورہ واجازت سے چار بنیادی مقاصد کے پیشِ نظر داخلہ لینے کی سعی کی تھی:

پہلا مقصد: یہ تھا کہ اس صورت میں حرمین شریفین کی حاضری اور حج کی سعادت میسر ہو جائے گی، جس کے لیے عرصہ سے دل تڑپ رہا تھا، اور وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔

دوسرا مقصد: یہ تھا کہ عربی زباں جو کہ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زباں ہے اور ہر طالب علم بلکہ ہر مسلمان کی ایک دینی ضرورت ہے، اس میں نکھار اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب کہ طالب علم کو ماحول میں رہنے اور اس زباں کو اس کے اصلی سرچشموں سے تلاش کرنے کا موقع ملے، احقر کو یہ امید تھی کہ ''معهد اللغة العربية جامعة الملك سعود'' میں داخلہ ملنے کی صورت میں اس مقصد کے حصول کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔

تیسرا مقصد: یہ تھا کہ دیارِ عرب کے علماء و مشایخ جو نجی اور بالکل سادہ طریقے سے مساجد میں علوم دینیہ پڑھاتے ہیں اور اصلاحی بیانات کرتے ہیں ان سے خارجی اوقات میں کچھ نہ کچھ استفادہ کرنے کا موقع ملے گا۔

چوتھا مقصد: یہ تھا کہ بالخصوص حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدّہ حلبی شامی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہنے اور ان کے علوم و معارف سے استفادہ کرنے کا شاید کوئی موقع نصیب ہوگا۔ شیخ ابوغدّہؒ ایک متبحر، متقی اور حنفی المسلک عالمِ دین تھے، اور دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابرین سے والہانہ تعلق رکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں ان کے علوم و تصانیف کا چرچہ تھا، اور وہ میرے زمانۂ قیام سے پہلے دارالعلوم تشریف بھی لاچکے تھے، موصوف ''جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، رياض'' کے استاذ تھے جو کہ ''جامعة الملك سعود، رياض'' کے بعد دوسرا بڑا جامعہ تھا، البتہ اُس جامعہ میں داخلہ کی صورت نہیں تھی، تاکہ شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست استفادہ کا موقع مل جاتا، تاہم احقر کو یہ امید ضرور تھی کہ خارجی اوقات میں کسی نہ کسی طرح ان سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مذکورہ چاروں مقاصد کے حصول کے راستے ہموار ہوگئے، چنانچہ ''جامعة الملك سعود'' میں دوسالہ قیام کے دوران پہلا مقصد اس طرح پورا ہوگیا کہ اس مدّت کے اندر حرمین شریفین کی بار بار حاضری اور حج کی سعادت میسر ہوئی، پہلی حاضری ماہ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ کو میسر ہوئی، جس کی تفصیل درج کی جاچکی ہے، اسی سال اپنی زندگی کا پہلا حج بھی میسر ہوا، اگلے سال ۱۴۰۹ھ کو بھی حج کی سعادت حاصل کرسکتا تھا، اس لیے کہ میں حج کے ایام میں ''جامعة الملك سعود'' میں موجود تھا اور جامعہ میں چھٹیاں بھی چل رہی تھیں، لیکن اس وقت سعودی عرب کا قانون یہ تھا کہ جس شخص نے ایک مرتبہ حج کیا ہو وہ اگلے پانچ سال تک حج نہ کریں، تاکہ حج کے ایام میں زیادہ رَش کی صورت پیدا نہ ہو اور زندگی میں پہلی بار حج کرنے والے حضرات سہولت کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرسکیں، اس قانون کی زَد سے بچنے کے لیے لوگوں نے مختلف راستے ڈھونڈ لیے تھے، لیکن احقر کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ''جامعة الملك سعود'' میں داخلہ ملنے کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کی زیارت اور

فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت سے مجھے نوازا ہے، اب سعودی عرب اور ''جامعة الملک سعود '' کے قانون سے بچنے کے لیے راستے ڈھونڈنا بے وفائی ہوگی اور ایسے حج کو ''حج مبرور'' کہنا بھی مشکل ہوگا، لہٰذا حرمین شریفین کی زیارت کے لیے بے تابی کے باوجود حج کے ایام میں جامعہ میں رہا اور دوسرا حج نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ صلہ عطا فرمایا کہ ۱۴۰۸ھ کے بعد سے تادمِ تحریر جو تقریباً اٹھائیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس دوران وقفہ وقفہ سے مزید چار دفعہ (۱۴۱۴ھ-۱۴۲۷ھ-۱۴۲۹ھ-۱۴۳۳ھ) کو حج پر جانے کا موقع نصیب ہوا جس سے مجموعی تعداد پانچ ہوگئی اور متعدد بار عمرہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی: ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔''

احقر جب اپنی حقیقت اور کوتاہیوں پر غور کرتا ہے تو اپنے آپ کو ان سعادتوں کا اہل ہرگز نہیں پاتا، اور جب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ '' (اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے) پر غور کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ارحم الراحمین تو مجھ جیسے نا اہلوں کو بھی محروم نہیں فرماتا، لہٰذا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنے بزرگوں اور بالخصوص حضرت حافظ عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی دعا (جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ روزِ محشر میں بھی اسی طرح رحمت وفضل اور عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائے۔

''جامعة الملک سعود'' کے ماحول میں عربی زبان سیکھنے کا ایک اچھا موقع

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ ''معهد اللغة العربية جامعة الملک سعود ''میں داخلہ لینے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ ماحول میں رہ کر عربان زباں سمجھنے، بولنے اور لکھنے کا ایک اچھا موقع ملے گا، اسی جذبہ کے تحت میں نے طے کیا تھا کہ ''جامعة الملک سعود ''میں اگر ممکن ہوا تو متشرع، بااخلاق اور باصلاحیت عرب طلبہ کے ساتھ رہائش رکھوں گا، تاکہ ان سے بیک وقت عربی زباں اور اسلامی آداب واخلاق میں استفادہ کیا جا سکے، اور یہ بھی طے کیا تھا کہ ''جامعة الملک سعود'' کے قیام کے دوران صرف فصیح عربی زباں میں گفتگو کرنے کی کوشش کروں گا اور اپنے ہم وطنوں اور ہم زبانوں سے بھی بوقتِ ملاقات وگفتگو کسی اور زباں کے بجائے عربی زباں کو ترجیح دوں گا۔ رہائش سے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ کرم کیا کہ سعودی عرب کے ''شقراء'' نامی شہر کے رہنے والے چند نیک وصالح، پابندِ شریعت اور باصلاحیت طلبہ کے ساتھ رہائش ملی، جن سے روزمرہ کی گفتگو فصیح عربی زبان میں ہوا کرتی تھی، اور کبھی علمی وادبی موضوعات سے متعلق بھی تبادلۂ خیال ہو جاتا، وہ حضرات آپس میں تو ''اللغة العامّية '' (بگڑی ہوئی زباں) بولتے تھے، لیکن میری رعایت میں مجھ سے ''اللغة الفصيحة '' (فصیح زباں) میں بات کرتے تھے، جس سے مجھے کافی فائدہ ہوا، اپنے ہم وطنوں اور ہم زبانوں سے جب

مسجد، مطعم، درسگاہ وغیرہ آتے جاتے ملاقات ہوجاتی اور میں عربی میں بات کرتا تو وہ کچھ ناراض ہوجاتے کہ تم اپنی زبان میں گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ میں عربی زباں کی محبت میں ان کی ناراضگی کو بادِلِ نخواستہ برداشت کرلیتا، اس تھوڑی سی محنت وقربانی کا فائدہ یہ ہوا کہ ''وحدۃ اللغۃ والثقافۃ'' کا دوسالہ کورس احقر نے بتوفیق اللہ ایک ہی سال میں پورا کر کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرلی، اور اگلے سال شعبہ ''اعداد المعلمین'' میں داخلہ ہوا اور اس کا ایک سالہ کورس بھی پورا کیا، اس کے علاوہ پورے جامعہ کی سطح پر منعقد کیے جانے والے تین مسابقاتِ علمیۃ میں بھی حصہ لیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دو مسابقات میں پہلی اور ایک مسابقہ میں دوسری پوزیشن حاصل کی، جن کی بنیاد پر چار سونے کے تمغے (گولڈ میڈل) نقد انعامات اور اپنے کورس کی سند کے علاوہ ''طالب مثالی'' کی ایک خصوصی سند بھی ملی، اور جب دوسال ''جامعۃ الملک سعود'' میں گزار کر دارالعلوم دیوبند واپسی ہوئی تو دارالعلوم میں بھی احقر کی ہمت افزائی کی گئی اور ''ماہنامہ دارالعلوم'' (ماہِ رجب ۱۴۱۰ھ) اور پندرہ روزہ ''آئینہ دارالعلوم'' (یکم تا پندرہ ماہِ جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۱۰ھ) دونوں نے حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند) (متوفّٰی: ۱۴۱۲ھ) کے ایما پر احقر کی کامیابی کی رپورٹ شائع کردی۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ''آئینۂ دارالعلوم دیوبند'' کے ایڈیٹر جناب مولانا کفیل احمد علوی صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) کی رپورٹ کا متن پیش کیا جارہا ہے:

مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی مدرس دارالعلوم دیوبند کی ''جامعۃ الملک سعود'' سے دارالعلوم واپسی

''جامعۃ الملک سعود (ریاض) خلیجی ممالک کا سب سے بڑا علمی مرکز ہے، جس میں سعودی عرب اور دیگر مختلف ممالک کے تقریباً ۳۶ رہزار طلباءِ تعلیم حاصل کرتے ہیں، جامعہ میں مختلف ۱۴ رکلیات اور ایک ''معہد اللغۃ العربیۃ'' ہے، دارالعلوم دیوبند کی سفارش پر مولانا کا داخلہ ۱۴۰۸ھ میں شعبہ ''وحدۃ اللغۃ والثقافۃ'' میں ہوا، جس کا دوسال کا کورس ہے، موصوف نے اپنی محنت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے یہ کورس جو کافی اہم ہے، ایک ہی سال میں پورا کرلیا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں امتیازی سند بھی حاصل کرلی، ۱۴۰۹ھ میں یعنی دوسرے سال شعبہ ''اعداد المعلمین'' میں داخلہ ہوا، اس کا ایک سالہ کورس ہے، اس شعبہ میں عام طور پر انہی طلبہ کو داخلہ کا مجاز قرار دیا جاتا ہے، جو سعودی جامعات سے فارغ ہوتے ہیں، اور جن کے نمایاں نمبرات ہوتے ہیں، مولانا عبدالرؤف صاحب کو ''وحدۃ اللغۃ العربیۃ'' میں اول پوزیشن حاصل کرنے کی وجہ سے داخلہ کا مستحق قرار دیا گیا، ''معہد اللغۃ العربیۃ'' جس کے تحت تین شعبے ہیں: ۱:......وحدۃ اللغۃ والثقافۃ، ۲:......تدریب المعلمین، ۳:......اعداد المعلمین، اس میں تقریباً چالیس ملکوں کے طلبہ پڑھتے ہیں، اس پورے ''معہد اللغۃ العربیۃ''

سے ہر سال ایک ہی طالب علم کا ''طالب مثالی'' کے عنوان سے انتخاب کیا جاتا ہے، جس کو خصوصی انعام کے علاوہ ایک خصوصی سند ''طالب مثالی'' کے نام سے دی جاتی ہے، انتہائی مسرت کی بات ہے کہ گزشتہ سال ۱۴۰۹ھ میں ''طالب مثالی'' کا عظیم اعزاز مولانا عبدالرؤف صاحب نے حاصل کیا۔ اس کے علاوہ موصوف نے تین مسابقات میں جو کہ پورے جامعہ کی سطح پر منعقد ہوئے شرکت کی: ۱:......قرآن کریم (حفظ تجوید وتفسیر)، ۲:...... القراءۃ الحُرّۃ، ۳:......خطابت (عربی زبان میں تقریر)۔ اول الذکر: ۱، ۲ میں مولانا نے فرسٹ پوزیشن اور ۳ میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی۔

مذکورہ تینوں مسابقات میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے اور ''طالب مثالی'' منتخب ہونے کی وجہ سے تین ہزار سات سو پچاس نقد ریال، متعدد اہم کتابیں، ایک خوبصورت قیمتی بریف کیس، بہترین کاغذ پر طبع شدہ دو قرآن پاک، عربی تقاریر کے کیسٹ اور سونے کے چار میڈل انعام میں دیے گئے۔

پورے جامعہ میں مولانا کی ذہنی وفکری اور علمی صلاحیتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور یہ تمام تفاصیل سعودیہ کے ہفت روزہ اخبار ''رسالۃ الجامعۃ'' میں نمایاں سرخی کے ساتھ شائع کی گئی۔

مولانا عبدالرؤف صاحب دارالعلوم دیوبند کے ایک لائق استاذ ہیں، طلبہ میں مقبول ہیں، اور ذمہ دارانِ دارالعلوم کی نگاہ میں بھی ان کا مقام بلند ہے، درس وتدریس میں انہماک کے ساتھ اہتمام کی جانب سے انہیں دوسری ذمہ داریاں بھی سونپی جاتی رہتی ہیں، ہم موصوف کو ان کی عظیم الشان کامیابیوں پر تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)''

عرب علماء سے استفادہ کا موقع

''**جامعۃ الملک سعود**'' کے زمانۂ قیام میں اللہ تعالیٰ نے تیسرے مقصد کے حصول کے لیے اس طرح آسانی پیدا فرمادی کہ خارجی اوقات کے اندر اُن عرب علماء سے استفادہ کرنے کا موقع میسر ہوا جو مساجد میں سادہ طریقے سے پڑھاتے تھے اور اصلاحی بیانات بھی کرتے تھے، جامعہ میں ہفتہ وار دو چھٹیاں (جمعرات اور جمعہ) تو مستقل طور پر ہوا کرتی تھیں، امتحانات سے آگے پیچھے یا کسی اور مناسبت سے چھٹیاں ان کے علاوہ تھیں، اِن چھٹیوں میں میری کوشش ہوتی تھی کہ اُن عرب علماء کی خدمت میں حاضری دیا کروں جو مختلف مساجد میں درس دیا کرتے تھے یا ان کے بیانات ہوتے تھے، تاکہ ان کے علوم واخلاق، عادات وخصائل، طرزِ تدریس وطریقۂ بیان اور عربی لب ولہجہ سے استفادہ کیا جاسکے، میرے پاس نہ تو ذاتی کوئی سواری تھی اور نہ راستوں سے واقفیت اور نہ ہی اُن مشہور علمائے کرام کے نظام الاوقات کا صحیح علم! اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان مقامی عرب طلبہ اور ساتھیوں کو

جو مشہور علمائے کرام کے نظام الاوقات سے متعلق میری راہنمائی فرماتے رہے، اور مناسب وقت پر اپنی ذاتی سواریوں کے ذریعہ بلاتکلف مجھے ان کی مساجد اور دروس و بیانات کے مقامات تک پہنچاتے رہے اور وہ خود بھی ان کے دروس میں شریک ہوتے رہے۔

سعودی عرب کے جن علمائے کرام کے دروس و بیانات میں شرکت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا، ان میں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ باز رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۴۲۰ھ)، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۴۲۱ھ)، فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن جبرین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۴۳۰ھ) سرِفہرست ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان علمائے کرام کا کچھ تذکرۂ خیر ہوجائے:

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں سعودی عرب کے مایۂ ناز عالمِ دین اور مفتی اعظم تھے، ۱۲/۱۲/۱۳۳۰ھ کو سعودی عرب کے شہر ریاض میں آپ کی پیدائش ہوئی، تین سال کی عمر میں والدِ ماجد کا انتقال ہوا، اور والدہ ماجدہ نے آپ کی تربیت کی ذمہ داری سنبھالی، بچپن میں حفظِ قرآن مکمل کیا اور پھر مزید دینی علوم حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہوگئے، بیس سال کی عمر میں ان کی بینائی مکمل طور پر چلی گئی، لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری، اور بڑے بڑے اہلِ علم حضرات سے مروجہ علوم کی تکمیل کی، ان کے مشہور اساتذہ میں سے شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ، شیخ محمد بن عبداللطیف آل الشیخ، شیخ سعد بن حمد عتیق، شیخ صالح عبدالعزیز آل الشیخ اور شیخ سعید وقاص بخاری رحمہم اللہ ہیں۔

علومِ مروجہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنی خداداد صلاحیت وتقویٰ کی بنیاد پر مختلف علمی وانتظامی مناصب پر فائز رہے، چنانچہ ۱۳۵۷ھ تا ۱۳۷۱ھ منطقۂ خرج میں منصبِ قضاء کی نازک ذمہ داری انجام دیتے رہے، اور پھر ''کلیة الشريعة'' ریاض میں مدرس رہے، اس کے بعد ۱۳۸۱ھ تا ۱۳۹۰ھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نائب رئیس اور ۱۳۹۰ھ تا ۱۳۹۵ھ اس کے رئیس رہے، اور بالآخر ''إدارة البحوث العلمية والإفتاء'' کے رئیس، ملک کے مفتی اعظم اور ''انجمن کبار العلماء'' کے رئیس نامزد کیے گئے، اور ان عہدوں پر تا وفات فائز رہے۔

۱۴۰۸ھ کو جب احقر کا داخلہ ''جامعة الملك سعود رياض'' میں ہوا تو ابتدائی دنوں میں ایک روز مطالعہ کے دوران ''حدیثِ قرطاس'' سے متعلق جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری ''کتاب العلم'' (ج:۱،ص:۲۲) کے اندر ذکر کی ہے، کچھ اشکال پیش آیا، جس کے حل کے لیے جامعہ کی لائبریری کا رُخ کیا جہاں صحیح البخاری کی دو اہم شروح (فتح الباری، ج:۱،ص:۲۵۱-۲۵۳) اور (عمدۃ القاری جلد اول جزء ثانی،ص:۱۶۹-۱۷۲) کا مطالعہ کیا، لیکن اشکال پھر بھی مکمل طور پر حل نہ ہوسکا، اس وقت دل میں آیا کہ کیوں نہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے بذریعۂ فون اس سلسلہ میں استفادہ کیا جائے،

کیونکہ ساتھیوں نے بتایا تھا کہ شیخ ابن باز ایک مقررہ وقت پر فون پر بھی سوالات کے جوابات دیتے ہیں، احقر نے مقررہ وقت پر جامعہ کے اندر طلبہ کے لیے لگے ہوئے مفت فون سروس کے ذریعہ ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، شیخ کا فون مسلسل مصروف جارہا تھا، لیکن آخرکار رابطہ ہوگیا، احقر نے سلام مسنون کے بعد اپنا مختصر تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں عبدالرؤف نامی ''**معهد اللغة العربية جامعة الملك سعود رياض**'' کا ایک جدید غیر ملکی طالبِ علم ہوں، اور بخاری شریف کی ''حدیثِ قرطاس'' میں مجھے یہ اشکال (تفصیل کا یہ موقع نہیں) درپیش ہے، امید ہے کہ آپ اس کا حل بتادیں گے۔ شیخ نے اپنے الفاظ میں تقریباً وہی پوری بات ذکر فرمادی جو حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی رحمہما اللہ نے ذکر کی ہے، جس سے ان کے زبردست حافظہ کا اندازہ ہوا، احقر نے مذکورہ حدیث سے متعلق مزید کچھ اشکالات پیش کیے، جن کے بارہ میں شیخ نے فرمایا کہ: یہ تفصیل طلب اشکالات ہیں، بہتر یہ ہوگا کہ آپ جمعرات کو میرے گھر پر بعد الظہر تشریف لاکر اس موضوع پر گفتگو کریں، اور میرے ساتھ دوپہر کا کھانا بھی کھائیں، میں نے کہا: یہ تو میری سعادت ہوگی! ضرور حاضر ہوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

ہماری یہ گفتگو عربی زبان میں ہورہی تھی جس کی بنیاد پر شیخ نے دورانِ گفتگو احقر کی ہمت افزائی فرماتے ہوئے عربی لہجہ میں گفتگو کی تحسین فرمائی، اور مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ یہ گفتگو آپس میں غیر متعارف دو آدمیوں کے درمیان نہیں بلکہ ایک مشفق والد اور ان کے بیٹے کے درمیان ہورہی ہے، ان کے طرزِ گفتگو سے یہ بھی اندازہ ہورہا تھا کہ وہ اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود بات کو جلد از جلد ختم کرنا نہیں چاہتے، جب کہ میں تو دل دل میں شرمندہ ہورہا تھا کہ ایک عظیم اور مصروف ترین عالمِ دین کا زیادہ وقت لے رہا ہوں، بات چیت کے دوران میں نے شیخ سے اپنی ''لِلّٰه في الله'' محبت کا اظہار بھی کردیا جس کے جواب میں انہوں نے اللہ کی محبت نصیب ہونے کی دعا سے مجھے نوازا، اور آخر میں مَیں نے ان سے دعائے خیر میں فراموش نہ کرنے کی درخواست کی، انہوں نے درخواست کو قبول فرماتے ہوئے مجھ سے بھی یہی فرمائش کی اور بات ختم ہوگئی۔

جمعرات کو حسبِ وعدہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز کی قیام گاہ پر بعد نمازِ ظہر حاضر ہوا جہاں ان کے مہمان خانے میں زائرین ومہمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی، احقر بھی مہمان خانے کے ایک کونے میں شیخ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد شیخ اپنی قیام گاہ کے اندر والے حصہ سے مہمان خانہ تشریف لائے اور محبت بھرے لہجہ میں مہمانوں کو سلام کرنے کے ساتھ ساتھ خوش آمدید کہا اور سب سے بالترتیب مصافحہ کیا، جب میری باری آئی اور میں نے ان کو سلام کرکے مصافحہ کیا اور آگے اپنا نام بتانے اور فون پر کی گئی گفتگو کا حوالہ دینے کا ارادہ کرہی رہا تھا کہ شیخ نے آواز سے پہچان کر خود ہی میرا نام لیا اور فون پر

''حدیثِ قرطاس'' سے متعلق گفتگو کا حوالہ بھی دے دیا، میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ ایک ایسے شخص جن سے روزانہ بے شمار لوگ ملتے ہیں، اور لاتعداد لوگ فون پر بھی ان سے رابطہ میں رہتے ہیں اور اسّی سال کے قریب ان کی عمر ہے، وہ صرف ایک ہی مرتبہ ایک ادنیٰ اور اجنبی طالبِ علم کی آواز و نام فون پر سن لیتے ہیں اور پھر درمیان میں ایک یا دو دن گزر بھی جاتے ہیں، اس کے بعد لوگوں کے ازدحام کے باوجود جب دوبارہ اس کی آواز سن لیتے ہیں تو فوراً پہچان لیتے ہیں اور نام بھی بتا دیتے ہیں!! اب اسے یا تو قوتِ حافظہ کہا جائے، یا فراستِ ایمانی کا نام دیا جائے، یا پھر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بصارت تو ان سے لے لی تھی، لیکن اس کے عوض ان کو بے نظیر بصیرت اور رسوخ فی العلم کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا۔

سلام ومصافحہ کے بعد میں نے شیخ کے سامنے ''حدیثِ قرطاس'' کا ذکر کیا، شیخ نے حسبِ وعدہ اس پر سیر حاصل بحث کی، جس سے مجھے کافی حد تک تشفی ہوئی، البتہ مکمل تشفی کچھ عرصہ بعد اس وقت ہوئی جب امامِ ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ (متوفّٰی: ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات (بزبانِ فارسی) میں سے ایک مفصل اور تحقیقی مکتوب پڑھنے کا موقع ملا۔ اگر کسی کو اس موضوع پر تحقیق درکار ہو تو ''فتح الباری'' اور ''عمدۃ القاری'' کے مذکورہ بالا مقامات کے ساتھ ساتھ مکتوباتِ امامِ ربانی دفتر دوم، حصۂ ہفتم، مکتوب نمبر: ۹۶، صفحہ نمبر: ۱۰۲ تا ۱۱۰ (مطبوعہ: امرتسر و کراچی) کا مطالعہ فرمائیں۔

تھوڑی دیر بعد عربی پلاؤ کے بڑے بڑے گول تھال زمینی دسترخوان پر رکھے گئے اور ہر تھال میں سنت کے مطابق چند افراد شریک ہوئے، شیخ بھی زمین پر بیٹھ کر مہمانوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، ان کے لیے کوئی مخصوص جگہ یا کوئی مخصوص کھانا نہیں تھا، اور نہ ہی لباس یا نشست و برخاست و گفتگو میں کسی قسم کا تکلف شامل تھا، ان کی سادگی کو دیکھ کر کوئی نیا آنے والا زائر یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے زمانہ میں سعودی عرب کے سب سے مشہور عالمِ دین سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز جن کو سرکاری طور پر بھی وزیر کا مقام وعہدہ حاصل ہے اور جن کو سعودی عرب کے بادشاہ بھی والد کا مقام دے کر ''والدُنا وشیخُنا'' سے یاد کرتے ہیں، وہ یہی سادہ شخص ہوں گے، اس نشست میں احقر نے دیکھا کہ شیخ مہمانوں کی مزاج پرسی بھی فرما رہے ہیں اور بلا امتیاز ہر ایک کی بات کو غور سے سن بھی رہے ہیں اور ہر ایک کے سوال کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

شیخ کی مصروفیت اور ان کے علمی وعرفی مقام کے باوجود اتنی خاکساری وفروتنی کہ ہر خاص وعام کی بات کو غور سے سننا اور کسی کو بھی اپنے عالی مقام کا احساس نہ دلانا اس بات کی واضح دلیل تھی کہ وہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور طریقوں کو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے اور ان کے مطابق عمل بھی کرتے تھے، اور بخاری وترمذی کی مندرجۂ ذیل دو حدیثوں اور ان جیسی دوسری حدیثوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے:

۱:......’’عن أنس بن مالک قال کانت الأَمَة من إماءِ أهل المدينة لَتأخذ بيد رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فتنطلق بهٖ حيث شاء ت ۔‘‘ (رواہ البخاری، ج:۲،ص:۸۹۷)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ والوں کی باندیوں میں سے ایک باندی (بھی یہ کرسکتی تھی کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں لے جانا چاہتی لے جاتی۔‘‘

۲:......’’عن أنس بن مالک أن امرأة جاء ت إلی النبی صلی اللّٰه عليه وسلم فقالت : إن لی إلیک حاجة فقال: اجلسی فی أیّ طريق المدينة شئتِ أجلس إليکِ ۔‘‘ (رواہ الترمذی فی الشمائل:۲۲)

ترجمہ: ’’حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو مدینہ کے راستوں میں سے جس راستے میں چاہے بیٹھ جاؤ میں تیرے پاس (تیری بات سننے کے لیے) بیٹھ جاؤں گا۔‘‘

یہ شیخ سے پہلی زیارت وملاقات تھی، اس کے بعد بھی موقع بہ موقع ان کے دروس وبیانات میں شرکت کی سعادت ملتی رہی، ان کے بیان سے محسوس ہوتا تھا کہ ان کے دل میں امت کی اصلاح کے لیے ایک مضبوط تڑپ اور مستحکم ولولہ موجود ہے، اور وہ جو بات کرتے ہیں وہ صرف زبان سے ادا نہیں ہورہی بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر سامعین کے دلوں سے ٹکراتی ہے۔ اسی مضبوط ایمانی جذبہ کا اثر تھا کہ شیخ اپنے بڑھاپے اور پیرانہ سالی کے باوجود دینی کاموں سے تھکتے نہیں تھے، اور نہ ہی پوچھنے والوں کے بے تحاشا اور بعض غیرضروری سوالات سے غُصیلا پن یا تنگ مزاجی کا شکار ہوجاتے، شیخ کی زندگی کی ایک چشم دید جھلک ذیل میں پیش کی جارہی ہے جس سے ان کے ولولے اور تحمل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

ایک دن شیخ کی خدمت میں احقر ایسے وقت میں حاضر ہوا کہ وہ اپنے دفتر سے نکل کر ذرا فاصلہ پر واقع مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے پیدل روانہ ہورہے تھے، اس دوران لوگوں کی ایک اچھی خاصی جماعت بھی ان کے ساتھ موجود تھی، اور جس کو بھی موقع ملتا شیخ سے کوئی سوال کرلیتا، اسی حالت میں مسجد میں پہنچ کر شیخ نے ظہر کی نماز باجماعت ادا کی، فرض نماز کے بعد دو رکعت سنتِ راتبہ پڑھنے لگے اور جیسے ہی تشہد کے لیے بیٹھ گئے تو ان کی دائیں بائیں جانب لوگ جمع ہونے لگے اور سلام پھیرتے ہی ان سے مسائل پوچھنے لگے اور یہ سلسلہ دفتر واپسی تک جاری رہا، جب دفتر میں داخل ہوئے تو وہاں پر ایک سے زائد ٹیلی فون لائینوں کی گھنٹیاں بج رہی تھیں، اور ٹیلی فون لائن پر موجود ہر شخص شیخ سے بات کرنا چاہتا تھا، ٹیلی فون آپریٹر باری باری شیخ سے ان کی بات کرانے لگے، شیخ ہر شخص کی بات نہایت تحمل سے سن کر جواب دیتے رہے، ٹیلی فون لائینوں پر موجود حضرات کی آواز تو میں نہیں سن سکتا تھا، البتہ شیخ کے جوابات سے یہ اندازہ کرلیتا کہ سائل نے کیا سوال کیا ہوگا! مجھے اس دوران یہ اندازہ

ہوا کہ بعض لوگ تو بہت گہرے اور علمی سوالات کر رہے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو ایک ہی سوال بار بار پوچھ رہے ہیں اور غیر ضروری سوالات بھی کر رہے ہیں، لیکن شیخ تحمل کے ساتھ ان سب کی باتیں سن رہے ہیں ، اور جوابات دے رہے ہیں۔ اسی دوران یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ شیخ کے دفتر کے دو منشی حضرات میں سے ہر ایک مختلف کاغذات اور فائلوں پر مشتمل ایک موٹا پلندا ہاتھ میں لیے ہوئے اس انتظار میں شیخ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ جیسے ہی شیخ کو کچھ فرصت ملے تو اِن کاغذات وفائلوں سے متعلق اُن کی رائے معلوم کر کے انہیں نمٹا دیا جائے۔

بہرکیف! شیخ ابن بازؒ ٹیلی فون لائنوں پر اطمینان کے ساتھ سوالات کے جوابات بھی دیتے رہے اور درمیان میں جب کوئی تھوڑا سا وقفہ ہوتا اس میں دفتری کام نمٹاتے رہے، اور اتنے زیادہ کام کے باوجود نہ تو ان کے چہرے پر کوئی بل نظر آتا اور نہ ہی اندازِ کلام سے کسی رنجیدگی یا درماندگی کا پتہ چلتا، بلکہ یوں محسوس ہوتا کہ ان کی خواہش وآرزو یہی ہے کہ اس مستعار زندگی کا ہر لمحہ اس ذات کی مرضی میں خرچ ہو جس نے یہ زندگی عطا کی ہے، اور اپنے علم وصلاحیت ، شہرت ومقبولیت اور حکومت وعوام دونوں کی سطح پر حاصل وجاہت کو کسی طرح بھی دنیوی ، ذاتی اور فانی مفادات کے لیے استعمال نہ کیا جائے ، بلکہ ان کو دینی اور ابدی مقاصد پر لگا دیا جائے ، خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی زندگی کو قریب سے دیکھ کر اس کا جائزہ لیتا وہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی ایک تصویر اور عملی تفسیر پالیتا:

''قُلْ إِنَّ صَلاَتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔'' (الانعام:۱۶۲)

یعنی ''کہہ دو بے شک میری نماز اور میری تمام عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔''

شیخ نے اس دنیائے فانی کے اندر اپنی مستعار زندگی کے نواسی سال اور ڈیڑھ مہینہ گزار کر بروز جمعرات ۲۷ محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۹۹ء ''طائف'' کے علاقہ میں واقع محلّہ ''عودہ'' کے اندر اپنے مکان میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور اپنے ساتھ نیکیوں کا ایک بڑا ذخیرہ لے کر واصل بحق ہوگئے۔ اگلے دن بروز جمعہ نمازِ جمعہ کے بعد حرم مکی میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی، جس میں خادم الحرمین الشریفین، ان کے ولی العہد اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں سمیت ملک وبیرونِ ملک کے بے شمار علماء، صلحاء اور عام مسلمانوں نے شرکت کی، جن کی تعداد روزنامہ ''عکاظ'' (عربی) شمارہ: ۲۹، محرم ۱۴۲۰ھ کی رپورٹ کے مطابق دو ملین افراد سے زیادہ تھی۔ نمازِ جنازہ کے بعد مکہ مکرمہ کے قبرستان ''**مقبرۃ العدل**'' میں ان کو سپردِ خاک کیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

(جاری ہے)